حالات حاضرہ

کے متعلق

حضرت امام جماعت احمدیہ کا فرمان

"ہمارا دشمن اگر ہمارے ساتھ ظلم اور بے انصافی بھی کرے تو ہم انصاف سے کام لینگے"

پبلشر: صیغہ نشر و اشاعت نظارت دعوۃ و تبلیغ قادیان

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریر حضرت امام جماعت احمدیہ

"ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوم قوم کی مدد کریں
چاہے وہ ہمیں ماریں یا دکھ پہنچائیں"

فرمودہ ۱۶ رمئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب

آج مجھے ایک عزیز نے بتایا۔ کہ دلی کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ احمدی اس وقت تو پاکستان کی حمایت کرتے ہیں۔ مگر انکو وہ وقت بھول گیا ہے۔ جبکہ انکے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بُرے سلوک کئے تھے۔ جب پاکستان بن جائیگا۔ تو ان کے ساتھ مسلمان پھر وہی سلوک کرینگے۔ جو کابل میں ان کے ساتھ ہوا تھا۔ اور اس وقت احمدی کہیں گے۔ کہ ہمیں ہندوستان میں شامل کرلو۔

کہنے والے کی اس بات کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ جب پاکستان بن جائیگا۔ تو ہمارے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے وہی سلوک ہوگا۔ جو آج سے کچھ عرصہ پیشتر افغانستان میں ہوا تھا۔ اور فرض کرو ایسا ہی ہو جائے۔ پاکستان بھی بن جائے۔ اور ہمارے ساتھ وہی سلوک روا بھی رکھا جائے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایک دیندار جماعت جس کی بنیاد ہی مذہب۔ اخلاق اور انصاف پر ہے۔ کیا وہ اس کے متعلق اس نقطہ نگاہ سے فیصلہ کریگی۔ کہ میرا اس میں فائدہ ہے۔ یا وہ اس نقطہ نگاہ سے فیصلہ کرے گی۔ کہ اس امر

میں دوسرے کا حق کیا ہے۔ یقیناً وہ ایسے معاملہ میں موخر الذکر نقطہ نگاہ سے ہی فیصلہ کریگی۔ مثلاً ایک مجسٹریٹ ایسے علاقہ میں عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہے۔ جس میں اس کے بعض قریبی رشتہ دار بھی رہتے ہیں۔ اور اس کے ان رشتہ داروں کے دوسرے لوگوں کے ساتھ تنازعات بھی ہیں۔ اس کے سامنے ایک ایسا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں اسکے رشتہ داروں کا ایک دشمن مدعی ہے۔ اگر اس کے پاس روپیہ ہو۔ تو وہ اس کے رشتہ داروں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر یہ مجسٹریٹ اس مدعی کے حق میں فیصلہ کردے۔ تو اس مدعی کے پاس روپیہ آجاتا ہے۔ اور پھر وہ اس مجسٹریٹ کے رشتہ دارو کو دق کرسکتا ہے۔ تو کیا ایک دیانتدار مجسٹریٹ اس ڈر سے کہ کل کو یہ روپیہ ہمارے خلاف استعمال کریگا۔ اس حقدار مدعی کے خلاف فیصلہ کردے گا؟ اگر وہ ایسا کریگا تو یہ اسکی صریح ناانصافی ہوگی۔ اور اگر وہ حق پر قائم رہتے ہوئے شہادات کو دیکھتے ہوئے اور مواد مسل کی روشنی میں مدعی کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ تو کیا کوئی دیانتدار دنیا میں ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ جو اسکے فیصلہ پر یہ کہے کہ اس نے فیصلہ ٹھیک نہیں کیا۔ اور اپنے اور اپنے رشتہ داروں پر ظلم کیا ہے۔ کوئی شریف اور دیانتدار مجسٹریٹ یہ نہیں کرسکتا۔ کہ وہ کسی مقدمہ کا حصر اپنے آئندہ فوائد پر رکھے۔ اور کوئی دیانتدار مجسٹریٹ ایسا نہیں ہوسکتا۔ جو مواد مسل کو نظر انداز کرتے ہوئے آنکھیں بند کرکے فیصلہ دیدے۔ بلکہ ایمانداری اور دیانتداری متقاضی ہے اس بات کی کہ وہ حق اور انصاف اور غیر جنبہ داری سے کام لے کر مقدمہ کا فیصلہ سنائے۔ وہ یہ نہ دیکھے۔ کہ جس شخص کے حق میں میں ڈگری دے رہا ہوں۔ یہ طاقت پکڑ کر کل کو میرے ہی خاندان کے خلاف اپنی طاقت استعمال کریگا۔ پس انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ کہ وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر نظر انداز کردے اس بات کو کہ میں کس کے خلاف اور

کس کے حق میں فیصلہ دے رہا ہوں۔ وہ نظر انداز کر دے اس بات کو کہ جس روپیہ کے متعلق میں ڈگری دے رہا ہوں۔ وہ روپیہ کل کو کہاں خرچ ہوگا۔ اور وہ بھول جائے اس بات کو کہ فریقین مقدمہ کون ہیں۔ کیونکہ انصاف اور ایمانداری اسی کا نام ہے۔ بس قطع نظر اسکے کہ مسلم لیگ والے پاکستان بننے کے بعد ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ ہمارے ساتھ وہی کابلی والا سلوک کرینگے۔ یا اس سے بھی بدتر معاملہ کرینگے۔ اس وقت سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جھگڑے میں حق پر کون ہے اور ناحق پر کون؟ آخر یہ بات آج کی تو ہے نہیں۔ یہ تو ایک لمبا اور پرانا جھگڑا ہے۔ جو بیسیوں سال سے انکے درمیان چلا آتا ہے۔ ہم نے بار بار ہندوؤں کو توجہ دلائی۔ کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں۔ یہ امر ٹھیک نہیں ہے۔ ہم نے بار بار ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کو اس طرح نظر انداز کر دینا بعید از انصاف ہے۔ اور ہم نے بار بار ہندو لیڈروں کو آگاہ کیا۔ کہ یہ حق تلفی اور یہ ناانصافی آخر رنگ لائے گی۔ مگر افسوس کہ ہمارے توجہ دلانے ہمارے انتباہ اور ہمارے ان کو آگاہ کرنیکا نتیجہ کبھی کچھ نہ نکلا۔ ہندو سختی سے اپنے اس عمل پر قائم رہے۔ انہوں نے اکثریت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کے حقوق کا گلا گھونٹا۔ انہوں نے حکومت کے غرور میں اقلیت کی گردنوں پر چھری چلائی اور انہوں نے تعصب اور ہندوانہ ذہنیت سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ مسلمانوں کے جذبات کا خون کیا۔ اور ہندو لیڈروں کو بار بار توجہ دلانے کے باوجود نتیجہ ہمیشہ صفر ہی رہا۔ ایک مسلمان جب کسی ملازمت کے لئے درخواست دیتا۔ گو چاہے وہ کتنا ہی لائق کیوں نہ ہوتا اسکی درخواست پر اس لئے غور نہ کیا جاتا کہ وہ مسلمان ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ہندو چاہے کتنا ہی نالائق ہوتا۔ اسکو ملازمت میں لے لیا جاتا۔ اسی طرح گورنمنٹ کے تمام ٹھیکے مسلمانوں کی قابلیت اور اہلیت کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندوؤں کو دیئے جاتے۔ تجارتی کاموں میں جہاں حکومت کا دخل ہوتا ہندو ہی

کو ترجیح دی جاتی۔ سوائے قادیان کے کہ یہاں بھی ہم نے کافی کوشش کر کے بنا یہ حق حاصل کیا ہے۔ باقی تمام جگہوں میں مسلمانوں کے حقوق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف ان کی فرقہ وارانہ ذہنیت کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی رہی۔ اور آخر یہ حالت پہنچ گئی۔ جو آج سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ صورتِ حال کس نے پیدا کی؟ جس نے یہ صورت حال پیدا کی وہی موجودہ حالات کا ذمہ دار بھی ہے۔ یہ سب کچھ ہندوؤں کے اپنے ہی ہاتھوں کا کیا ہوا ہے۔ اور یہ فسادات کا تناور درخت وہی ہے جسکا بیج ہندوؤں نے بویا تھا۔ اور اسے آجتک پانی دیتے رہے اور آج جبکہ اس درخت کی شاخیں سارے ہندوستان میں پھیل چکی ہیں۔ ہندوؤں نے شور مچانا شروع کر دیا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ہندوؤں کو اس وقت اس بات کا کیوں خیال نہ آیا کہ ہم مسلمانوں کے حقوق تلف کر رہے ہیں۔ اور ہر محکمہ میں اور ہر شعبہ میں انکے ساتھ بے انصافی کر رہے ہیں۔ مجھے ۲۵ سال شور مچاتے اور ہندوؤں کو توجہ دلاتے ہو گئے ہیں۔ کہ تمہارا یہ طریق آخر رنگ لائے بغیر نہ رہیگا۔ لیکن افسوس کہ میری آواز پر کسی نے کان نہ دھرا۔ اور اپنی من مانی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ہمارا احرار سے جھگڑا تھا۔ تو ہندوؤں نے احرار کی پیٹھ ٹھونکی اور حتی الوسع انکی امداد کرتے رہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جھگڑا تو ہمارے اور احرار کے درمیان مذہبی مسائل کے متعلق تھا۔ تمہیں ہر معاملہ میں کسی فریق کی طرفداری کی کیا ضرورت تھی۔ اور تمہیں ختم نبوت اور یا وفات مسیح کے مسائل کے ساتھ کیا تعلق تھا۔ کیا تم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو بند مانتے تھے۔ کہ ہمارے اجرائے نبوت کے عقیدہ پر تم برہم ہوئے تھے؟ یا تم حیات مسیح کے قائل تھے۔ کہ ہماری طرف سے وفات مسیح کا مسئلہ پیش ہونے پر تم چراغ پا ہو گئے تھے۔ ہندوؤں کا ان مسائل کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ احرار کیطرف سے ہندو وکلا مفت پیش ہوتے رہے۔ میں نے اس بارہ میں پنڈت نہرو

کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ کہ آپ لوگوں کی احرار کے ساتھ ہمدردی کس بنا پر ہے۔ اور یہ طرفداری کیوں کی جارہی ہے۔ انہوں نے ہنسکر کہا سیاسیات میں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ اب جن لوگوں کی ذہنیت اس قسم کی ہو۔ ان سے بھلا کیا امید کی جاسکتی ہے۔ یہ جو کچھ آجکل ہو رہا ہے۔ یہ سب گاندھی جی۔ پنڈت نہرو اور مسٹر پٹیل کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی بنیادوں پر ہو رہا ہے۔ اسکے ساتھ ہی انگریزوں کا بھی اس میں ہاتھ تھا۔ ان کو بھی بار بار اس امر کے متعلق توجہ دلائی گئی۔ کہ ہندوستان کے کروڑوں کروڑ مسلمانوں کے حقوق کو تلف کیا جارہا ہے۔ جو ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ یہ سب ہوتا رہا اور باوجود یہ جاننے کے ہوتا رہا کہ مسلمانوں کے حقوق تلف ہو رہے ہیں۔ اور باوجود اس علم کے کہ مسلمانوں سے ناانصافی ہو رہی ہے۔ مسلمان ایک مدت تک ان باتوں کو برداشت کرتے رہے۔ مگر جب یہ پانی سر سے گزرنے لگا۔ تو وہ اٹھے۔ اور انہوں نے اپنے لمبے اور تلخ تجربہ کے بعد جب یہ سمجھ لیا۔ کہ ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے ان کے حقوق خطرے میں ہیں۔ تو انہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت اور آرام اور چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے الگ علاقہ کا مطالبہ پیش کردیا۔ کیا وہ یہ مطالبہ نہ کرتے اور ہندوؤں کی ابدی غلامی میں رہنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ کیا وہ اتنی ٹھوکروں کے باوجود بھی نہ جاگتے۔ پھر میں پوچھتا ہوں کیا مسلمان اتنے طویل اور تلخ تجربات کے بعد ہندوؤں پر اعتبار کرسکتے تھے۔ ایک دو باتیں ہوتیں تو نظر انداز کی جاسکتی تھیں۔ ایک دو واقعات ہوتے۔ تو بھلائے جاسکتے تھے۔ ایک دو چوٹیں ہوتیں تو انکو نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ ایک آدھ صوبہ میں مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچا ہوتا۔ تو اسکو بھی بھلایا جاسکتا تھا۔ لیکن متواتر سو سال سے ہر گاؤں میں ہر شہر میں ہر ضلع میں اور ہر صوبہ میں اور ہر محکمہ میں ہر شعبہ میں مسلمانوں کو دکھ دیا گیا۔ انکے حقوق کو تلف کیا گیا۔ اور ان کے جذبات کو مجروح کیا گیا۔ اور ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا گیا۔ جو زرخرید غلام کے ساتھ بھی کوئی انصاف پسند آقا نہیں رکھ سکتا۔ کیا اب بھی وہ اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب نہ تھے۔ کیا اب بھی وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے تگ و دو

نہ کرتے؟ کیا اب بھی وہ اپنی عزت کی رکھوالی نہ کرتے؟ اور کیا اب بھی وہ ہندوؤں کی بدترین غلامی میں رہ کر اپنے آپکو پیش کر سکتے تھے؟ مسلمانوں کو ہمیشہ باوجود لائق ہونے کے نالائق قرار دیا جاتا رہا۔ انکو باوجود اہل ہونے کے نااہل کہا جاتا رہا۔ اور انکو باوجود قابل ہونے کے ناقابل کہا جاتا رہا۔ ہزاروں اور لاکھوں دفعہ انکے جذبات کو مجروح کیا گیا۔ لاکھوں مرتبہ انکے احساسات کو کچلا گیا۔ اور متعدد مرتبہ انکی امیدوں اور امنگوں کا خون کیا گیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا اور وہ چپ رہے۔ یہ سب کچھ ان پر بیتا اور وہ خاموش رہے۔ انہوں نے خاموشی کے ساتھ ظلم سہے اور صبر کیا۔ کیا اب بھی انکے خاموش رہنے کا موقعہ تھا؟ یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے وہ اپنا الگ اور بلا شرکت غیرے حق مانگنے پر مجبور نہیں ہوئے بلکہ مجبور کئے گئے۔ یہ حق انہوں نے خود نہ مانگا۔ بلکہ ان سے منگوایا گیا۔ یہ علیحدگی انہوں نے خود نہ چاہی۔ بلکہ انکو ایسا چاہنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اس معاملہ میں وہ بالکل معذور تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ باوجود لیاقت رکھنے کے باوجود اہلیت کے اور باوجود قابلیت کے انہیں نالائق اور ناقابل کہا جا رہا ہے؟ تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس ناانصافی کے انسداد کا سوائے اسکے اور کوئی طریق نہیں کہ وہ ان سے بالکل علیحدہ ہو جائیں۔ میں ہندوؤں سے پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمان فی الواقعہ نالائق ناقابل اور نااہل تھے؟ انکو جب کسی کام کا موقعہ ملا۔ انہوں نے اسے باحسن سرانجام دیا۔ مثلاً سندھ اور بنگال میں انکو حکومت کا موقعہ ملا ہے۔ انہوں نے اسکو اچھی طرح سنبھال لیا ہے۔ اور جہاں تک حکومت کا سوال ہے۔ ہندوؤں نے ان سے بڑھ کر کونسا تیر مار لیا ہے۔ جو انہوں نے نہیں مارا۔ مدراس۔ بمبئی۔ یوپی اور بہار وغیرہ میں ہندوؤں کی حکومت ہے۔ جس قسم کی گورنمنٹ انکی ان علاقوں میں ہے۔ اسی قسم کی گورنمنٹ سندھ اور بنگال میں بھی ہے۔ اگر لڑائی جھگڑے اور فساد وغیرہ کی وجہ سے کسی گورنمنٹ کو نااہل قرار دینا جائز ہے۔ تو لڑائی تو بمبئی میں بھی ہو رہی ہے۔ یوپی میں بھی ہو رہی ہے۔ اور بہار میں بھی ہو رہی ہے۔ اگر نالائقی اور نااہلی کی یہی دلیل ہو۔ تو بمبئی یوپی اور بہار وغیرہ کی گورنمنٹوں کو کسطرح لائق اور اہل کہا جا سکتا ہے۔ اگر کسی جگہ قتل و غارت کا ہونا

دراں کی گورنمنٹ کو نا اہل قرار دینے کا موجب ہو سکتا ہے۔ تو کیوں نہ سب سے پہلے بمبئی اور بہار کی گورنمنٹوں کو نا اہل کہا جائے۔ ایک ہی دلیل کو ایک جگہ استعمال کرنا اور دوسری جگہ نہ کرنا سخت ناانصافی اور بددیانتی ہے۔ اگر یہی قاعدہ کلیہ ہو تو سب جگہ یکساں چسپاں کیا جانا چاہیئے۔ نہ کہ جب اپنے گھر کی باری آئے۔ تو اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ کسی علاقہ میں قتل و غارت اور فسادات کا ہونا ضروری نہیں کہ حاکم کی غلطی ہی سے ہو۔ میں پچھلے سال اکتوبر نومبر میں اس نیت سے دہلی گیا تھا کہ کوشش کر کے کانگریس اور مسلم لیگ کی صلح کرا دوں۔ میں ہر لیڈر کے دروازہ پر خود پہنچا۔ اور اس میں میں نے اپنی ذرا بھی ہتک محسوس نہ کی۔ اور کسی کے پاس جانے کو عار نہ سمجھا۔ صرف اسلئے کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ انکے درمیان انشقاق اور افتراق رہنے کی وجہ سے ملک کے اندر کسی قسم کا فتنہ و فساد ہونے نہ پائے۔ میں مسٹر گاندھی کے پاس گیا اور کہا کہ اس جھگڑے کو ختم کراؤ۔ لیکن انہوں نے ہنس کر ٹالدیا اور کہا میں تو صرف ایک گاندھی ہوں۔ آپ لیڈر ہیں۔ آپ کچھ کریں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کیا واقعہ میں گاندھی ایک آدمی ہے۔ اور انکا اپنی قوم اور ملک کے اندر کچھ رعب نہیں۔ اگر وہ صرف ایک گاندھی ہے تو سیاسیات کے معاملات میں دخل ہی کیوں دیتا ہے۔ وہ صرف اسلئے دخل دیتا ہے کہ ملک کا اکثر حصہ انکی بات کو مانتا ہے۔ مگر میری بات کو ہنس کر ٹالدیا گیا۔ اور کہہ دیا گیا میں تو صرف گاندھی ہوں۔ اور ایک آدمی ہوں۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ وہ تیس کروڑ کے لیڈر ہیں۔ اور میں ہندوستان کے صرف پانچ لاکھ کا لیڈر ہوں۔ کیا میرے کوئی بات کہنے اور ۳۰ کروڑ کے لیڈر کے کوئی بات کہنے میں کوئی فرق نہیں۔ بیشک میں ۵ لاکھ کا لیڈر ہوں اور میری جماعت میں مخلصین بھی ہیں جو میری ہر بات پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور مجھے واجب الاطاعت تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن بہرحال وہ پانچ لاکھ ہیں۔ اور پانچ لاکھ کے لیڈر اور تیس کروڑ کے لیڈر کی آواز ایک سی نہیں ہو سکتی۔ تیس کروڑ کے لیڈر کی آواز ضرور اثر رکھتی ہے۔ اور ملک کے ایک معتدبہ حصہ پر رکھتی ہے۔ لیکن افسوس کہ مسٹر گاندھی جو ہمیشہ سیاسیات میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ میری بات سننے پر تیار نہ ہوئے۔ اسی طرح میں پنڈت نہرو کے دروازہ پہنچ گیا۔ اور کہا کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان صلح ہونی نہایت ضروری ہے۔ لیکن انہوں نے بھی صرف یہ کہہ دیا کہ

یہ ٹھیک تو ہے . . . ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ کیا بن سکتا ہے۔ اسی طرح میں نے تمام لیڈروں سے ملاقاتیں کر کے سارا زور لگایا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو جائے۔ مگر افسوس کہ کسی نے میری بات نہ سنی۔ اور صرف اس لئے نہ سنی کہ میں پانچ لاکھ کا لیڈر تھا۔ اور وہ کروڑوں کے لیڈر تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ملک کے اندر جگہ جگہ فسادات ہو رہے ہیں۔ اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے اگر یہ لوگ اس وقت میری بات کو مان جاتے اور صلح صفائی کی کوشش کرتے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مگر میری بات کو نہ مانا گیا۔ اور صلح سے پہلو تہی اختیار کی۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد بہار اور گڑھ مکتیسر کا واقعہ ہوا۔ اور اب پنجاب میں ہو رہا ہے۔ اگر اب بھی ان لوگوں کی ذہنیتیں نہ بدلیں تو یہ فسادات اور بھی بڑھ جائیں گے۔ اور ایسی صورت اختیار کر لیں گے کہ باوجود ہزار کوششوں کے بھی نہ رک سکیں گے۔ اس وقت ضرورت صرف ذہنیتیں تبدیل کرنے کی ہے۔ اگر آج بھی ہندو اقرار کر لیں کہ ہم سے غلطی ہوتی تھی۔ آؤ مسلمانوں ہم سے زیادہ حقوق لے لو۔ تو آج ہی صلح ہو سکتی ہے۔ اور یہ تمام جھگڑے رفع دفع ہو سکتے ہیں۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ بغض پر بغض۔ بغض پر بغض کی بنیادیں رکھتے چلے جاتے ہیں۔ اور انجام سے بالکل غافل بیٹھے ہیں۔ اگر وہ صلح کرنا چاہیں اگر وہ پنپنا چاہیں۔ اور اگر وہ گلے ملنا چاہیں تو یہ سب کچھ آج ہی ہو سکتا ہے۔ مگر اس کا صرف اور صرف ایک ہی علاج ہے۔ اور وہ ہے ذہنیتوں میں تبدیلی پس آج یہ سوال نہیں رہا کہ ہمارے ساتھ پاکستان بن جانے کی صورت میں کیا ہوگا۔ سوال تو یہ ہے کہ اتنے لمبے تجربہ کے بعد جبکہ ہندو حاکم تھے۔ گو ہندو خود تو حاکم نہ تھے بلکہ انگریز حاکم تھے۔ لیکن ہندو حکومت پر چھائے ہوئے تھے۔ جب ہندو ایک ہندو کو اس لئے ملازمت دے دیتے تھے کہ وہ ہندو ہے۔ جب ہندو اس لئے ایک ہندو کو ٹھیکہ دے

دیتے تھے کہ وہ ہندو ہے۔ اور جب وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کو صرف اس لئے قابل اور اہل قرار دیتے تھے کہ وہ ہندو ہیں۔ اور جب ہندو انگریز کی نہیں بلکہ اپنی حکومت سمجھتے ہوئے ہندوؤں سے امتیازی سلوک کرتے تھے۔ اور جب وہ نوکری میں ہندو کو ایک مسلمان پر صرف یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ ہندو ہے فوقیت دیتے تھے۔ اس وقت کے ستائے ہوئے، دکھائے ہوئے اور تنگ آئے ہوئے مسلمان اگر اپنے الگ حقوق کا مطالبہ کریں۔ تو کیا ان کا یہ مطالبہ ناجائز ہے؟ کیا یہ ایک روشن حقیقت نہیں کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا رہا جو نہایت ناواجب۔ نہایت ناروا۔ اور نہایت نامنصفانہ تھا۔

حال کا ایک واقعہ ہے۔ ہمارا ایک احمدی دوست فوج میں ملازم ہے۔ باوجودیکہ اس کے خلاف ایک بھی ریمارک نہ تھا۔ اور دوسری طرف ایک سکھ کے خلاف چار ریمارکس تھے اس سکھ کو اوپر کر دیا گیا۔ اور احمدی کو گرا دیا گیا۔ جب وہ احمدی انگریز کمانڈر کے پاس پہنچا اور اپنا واقعہ بیان کیا۔ تو اس نے کہا واقعی آپ کے ساتھ ظلم ہوا۔ اب تم درخواست لکھ کر میرے پاس لاؤ۔ لیکن جب وہ احمدی درخواست لے کر انگریز افسر کے پاس پہنچا۔ تو اس نے درخواست اپنے پاس رکھ لی اور اسے اوپر نہ بھجوایا۔ کئی دن کے بعد جب دفتر سے پتہ لیا گیا کہ آخر وجہ کیا ہے کہ درخواست کو اوپر بھجوایا نہیں گیا۔ تو دفتر والوں نے بتایا کہ اصل بات یہ ہے کہ شملہ سے آرڈر آگیا ہے کہ کوئی اپیل اس حکم کے خلاف اوپر نہ بھجوائی جائے۔ جس قوم کے ساتھ اتنا لمبا عرصہ بے انصاف برتا گیا ہو کیا وہ اس امر کا مطالبہ نہ کرے گی کہ اسے الگ حکومت دے دی جائے۔ ان حالات کے پیش نظر ان کا حق ہے کہ وہ یہ مطالبہ کریں اور ہر دیانتدار کا فرض ہے کہ خواہ اس میں اس کا نقصان ہو مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کرے۔ پس ایک نقطہ نگاہ تو یہ ہے جس سے ہم اس اخبار کے متعلقہ مضمون پر غور کر سکتے ہیں۔

دوسرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ بیشک ہمیں مسلمانوں کی طرف سے بھی بعض اوقات تکالیف پہنچیں

جا ہیں۔ اور ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ شاید وہ ہمیں پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ لیکن میں ہندوؤں سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم لوگوں نے ہمیں کب سکھ دیا تھا۔ تم لوگوں نے ہمیں کب آرام پہنچایا تھا؟ اور تم لوگوں نے کب ہمارے ساتھ ہمدردی کی تھی۔ کیا بہار میں بے گناہ احمدی مارے گئے یا نہیں؟ کیا ان کی جائیدادیں تم لوگوں نے تباہ کیں یا نہیں؟ کیا ان کو بے جا دکھ پہنچایا یا نہیں؟ کیا گڑھ مکتیسر میں شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور کا لڑکا تمہارے مظالم کا شکار ہوا یا نہیں؟ حالانکہ وہ میلہ آفیسر تھا۔ اور وہ تمہارے میلے میں اس لئے گیا تھا کہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کرے۔ اگر تم میں سے کسی کو زخم لگ جائے تو اس پر مرہم پٹی کرے۔ اور اگر تم میں سے کوئی بخار سے مر رہا ہو تو اسے کونین کھلائے۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ اور ڈاکٹری ایک ایسا پیشہ ہے جس کو فرقہ وارانہ حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ وہ بیچارہ تمہارے علاج معالجہ کے لئے گیا تھا اس کو تم نے کیوں قتل کر دیا؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی شقاوت قلبی کی کوئی اور مثال ہو سکتی ہے؟ کیا اس سے آگے بھی ظلم کی کوئی حد ہے؟ پھر اس کی بیوی نے خود مجھے اپنے دردناک حالات سنائے۔ اس نے بتایا کہ غنڈوں نے اس کے منہ میں مٹی ڈالی۔ اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ اس کے کپڑے اتار لئے اور اسے دریا میں پھینک دیا۔ اور پھر اسی پر بس نہیں۔ بلکہ دریا میں پھینک کر سوٹیوں کے ساتھ دباتے رہے۔ تا کہ اس کے مرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ تیرنا جانتی تھی۔ اور وہ ہمت کر کے ہاتھ پاؤں مار کر دریا سے نکل آئی۔ اور پھر کسی کی مدد سے ہسپتال پہنچی۔ کیا اس سے بڑھ کر بے دردی کی کوئی مثال ہو سکتی ہے کہ ایک ناکردہ گناہ شخص اور پھر عورت پر اس قسم کے مظالم توڑے جائیں؟ کیا اس قسم کی حرکات سفاکانہ نہیں ہیں؟ ان حالات کی موجودگی میں اگر ہمارے لئے دونو طرف ہی موت ہے۔ تو ہم ان لوگوں کے حق میں کیوں رائے نہ دیں جن کا دعویٰ حق پر ہے۔

پھر تیسرا نقطۂ نگاہ یہ ہے۔ کہ اگر ہم ان تمام حالات کی موجودگی میں جو اوپر ذکر ہو چکے ہیں

انصاف کی طرفداری کریں گے تو کیا خدا تعالےٰ ہمارے اس فعل کو نہ جانتا ہوگا کہ ہم نے انصاف سے کام کیا ہے۔ جب وہ جانتا ہوگا۔ تو وہ خود انصاف پر قائم ہونے والوں کی پشت پناہ ہوگا۔ لکھنے والے نے تو لکھ دیا کہ احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو کابل میں ان کے ساتھ ہوا تھا۔ مگر میں ان سے پوچھتا ہوں کہاں ہے امان اللہ؟ اگر اس نے احمدیوں پر ظلم کیا تھا تو کیا خدا تعالیٰ نے اس کے اسی جرم کی پاداش میں اس کی دھجیاں نہ اڑا دیں؟ کیا خدا تعالےٰ نے اس کی حکومت کو تباہ نہ کر دیا؟ کیا اللہ تعالےٰ نے اس کی حکومت کے تار و پود کو بکھیر کر نہ رکھ دیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی ذریّت سمیت ذلیل اور رسوائے عالم نہ کر دیا؟ کیا خدا تعالےٰ نے مظلوموں پر بے جا ظلم ہونے دیکھ کر ظالموں کو کیفر کردار تک نہ پہنچایا؟ اور کیا اللہ تعالےٰ نے امان اللہ کے اس ظلم کا اس سے کما حقہٗ بدلہ نہ لیا؟ ہاں کیا اللہ تعالےٰ نے اس کی شان و شوکت، رعب اور دبدبہ کو خاک میں نہ ملا دیا؟ پھر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا کہ کیا ہمارا وہ خدا جس نے اس سے پیشتر ہر موقعہ پر ہم پر ظلم کرنے والوں کو سزائیں دیں۔ کیا نعوذ باللہ اب وہ مر چکا ہے؟ وہ ہمارا خدا اب بھی زندہ ہے۔ اور اپنی ساری طاقتوں کے ساتھ اب بھی موجود ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ہم انصاف کا پہلو اختیار کریں گے، اور اس کے باوجود ہم پر ظلم کیا جائیگا تو وہ ظالموں کا وہی حشر کریگا جو امان اللہ کا ہوا تھا۔ اگر ہم پہلے خدا پر یقین رکھتے تھے تو کیا اب چھوڑ دیں گے؟ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین ہے۔ وہ انصاف کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ اور ظالموں کو سزا دیتا ہے۔ وہ اب بھی اسی طرح کریگا جس طرح اس سے پیشتر وہ ہر موقعہ پر ہماری نصرت اور اعانت فرماتا رہا۔ اس کی پکڑ۔ اس کی گرفت اور اس کی بطش اب بھی شدید ہے جس طرح کے پہلے شدید تھی۔ کیا ہم نعوذ باللہ یہ سمجھ لیں گے کہ ہمارے انصاف پر قائم ہو جانے سے وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دیگا ہرگز نہیں۔

احمدیت کا پودا کوئی معمولی پودا نہیں یہ اس نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ اور وہ خود اسکی

حفاظت کریگا۔ اور مخالف حالات کے باوجود کریگا۔ دشمن پہلے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے مگر یہ پودا انکی حسرت بھری نگاہوں کے سامنے بڑھتا رہا۔ تاریکی کے فرزندوں نے پہلے بھی حق کو دبانے کی کوشش کی مگر حق ہمیشہ ہی ابھرتا رہا۔ اور اب بھی اللہ تعالے کے فضل سے اسی طرح ہوگا۔ یہ چراغ وہ نہیں جسے دشمن کی پھونکیں بجھا سکیں۔ یہ درخت وہ نہیں جسے عداوت کی آندھیاں اکھاڑ سکیں مخالف ہوائیں چلیں گی۔ طوفان آئیں گے۔ مخالفت کا سمندر ٹھاٹھیں ماریگا اور لہریں اچھالیگا مگر یہ جہاز جس کا ناخدا خود خدا ہے پار لگ کر ہی رہیگا۔ امان اللہ کا واقعہ یاد دلانے سے کیا فائدہ۔ کیا تمہیں صرف امان اللہ کا ظلم ہی یاد رہ گیا۔ اور تم نے اس کے انجام کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ تمہیں وہ واقعہ یاد رہ گیا ہے مگر اس واقعہ کا نتیجہ تم بھول گئے۔ کیا امان اللہ کی ذلت اور رسوائی کی کوئی مثال تمہارے پاس موجود ہے۔ تم نے وہ واقعہ یاد دلایا تھا تو تم اسکا انجام بھی دیکھتے۔ جب وہ یورپ روانہ ہوا تھا تو خود اس کے ایک درباری نے خط لکھا کہ ہماری مجالس میں بار بار یہ ذکر آیا ہے کہ یہ جو کچھ ہماری ذلت ہوئی ہے وہ اسی ظلم کی وجہ سے ہوئی ہے جو ہم نے احمدیوں کے ساتھ کیا تھا۔ امید ہے کہ اب جبکہ ہمیں سزا مل چکی ہے آپ ہمارے لئے بد دعا نہ کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کے درباریوں کو یقین تھا کہ اسکی ذلت کا سبب اسکا ظلم ہے۔ آج وہی امان اللہ جو ایک بڑی شان و شوکت رعب و جلال دبدبہ کا مالک تھا اپنے ظلم کی وجہ سے اس حال کو پہنچ چکا ہے کہ وہ اٹلی میں بیٹھا اپنی ذلت کے دن گذار رہا ہے۔ وہ کتنا ہوشیار اور چالاک بادشاہ تھا کہ انگریزی باجگذار ریاست کو آزاد بنا دیا۔ مگر جب اس نے غریب احمدیوں پہ ظلم کیا تو اس کی ساری طاقت اور قوت مٹا دی گئی۔ اور اس نے اپنے ظلم کا نتیجہ پالیا۔ اور ایسا پایا کہ آجتک اس کی سزا بھگت رہا ہے۔ لیکن طالب حق اور انصاف پسند آدمی کیلئے یہی ایک نشان کافی ہے۔ کاش! لوگ اس پہ غور کرتے شاید یہاں کوئی شخص یہ اعتراض کر دے کہ امان اللہ کے باپ نے بھی تو احمدی مروائے تھے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس نے ناواقفی سے ایسا کیا تھا۔ اور امان اللہ نے جان بوجھ کر۔ کیونکہ ہمارے استفسار پر اس کی حکومت کی طرف سے لکھا گیا کہ بیشک احمدی مبلغ بھجوا دئیے جائیں۔ اب وہ وحشت کا زمانہ نہیں رہا ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ لیکن جب ہمارے مبلغ وہاں پہنچے تو اس نے انہیں قتل کرا دیا پھر یہ بھی نہیں

کہ حبیب اللہ کو سزا نہیں ملی۔ وہ بھی اس سزا سے باہر نہیں رہا۔ کیونکہ اس کی ساری نسل تباہ ہو گئی۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف امان اللہ کا بدلہ نہیں لیا بلکہ اس بدلہ میں حبیب اللہ اور عبدالرحمٰن بھی شامل ہیں۔ پس یہ ہے ہمارا تیسرا نقطۂ نگاہ۔ ان تینوں نقطہ ہائے نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہمارے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ہم نے تو اس معاملہ کو انصاف کی نظروں سے دیکھنا ہے۔ اور انصاف کے ترازو پر تولنا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں انصاف کا یہ حال ہے کہ برابر سو سال سے ہندو مسلمانوں کو تباہ کرتے چلے آرہے تھے اور صرف ہندو کا نام دیکھ کر ملازمت میں رکھ لیتے رہے اور مسلمان کا نام آنے پر اس کی درخواست کو مسترد کر دیتے رہے۔ جب درخواست پر رلا رام کا نام لکھا ہوتا تو درخواست کو منظور کر لیا جاتا رہا۔ اور جب درخواست پر عبدالرحمٰن کا نام آجاتا تو اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا۔ اس بات کا خیال نہ رکھا جاتا رہا کہ رلا رام اور عبدالرحمٰن میں سے کون اہل ہے اور کون نااہل۔ اس بات کو ملحوظ نہ رکھا جاتا رہا کہ رلا رام اور عبدالرحمٰن میں سے کون قابل ہے اور کون ناقابل۔ اور اس امر کو پیش نظر نہ رکھا جاتا رہا کہ رلا رام اور عبدالرحمٰن میں سے کون لائق ہے اور کون نالائق۔ صرف ہندوانہ نام کی وجہ سے اسے رکھ لیا جاتا۔ اور صرف اسلامی نام کی وجہ سے اسے رد کر دیا جاتا۔ ہم نے ان حالات کی وجہ سے بار بار شور مچایا۔ ہندو لیڈروں سے اس ظلم کے انسداد کی کوشش کیلئے کہا۔ مگر کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اور رینگتی بھی کیسے۔ وہ اپنی اکثریت کے نشے میں چور تھے۔ وہ اپنی حکومت کے رعب میں مدہوش تھے۔ اور وہ اپنی طاقت کی وجہ سے بدمست تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر جہت سے نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی ہر ترقی کی راہ میں روکاٹیں ڈالیں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہر ممکن سازشیں کیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوم قوم کی مدد کریں۔ چاہے وہ ہمیں ماریں یا دکھ پہنچائیں۔ ہمیں تو ہر قوم نے ستایا اور دکھ دیئے لیکن ہم نے انصاف نہیں چھوڑا۔ جب ہندوؤں پر مسلمانوں نے ظلم کیا ہم نے ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ جب مسلمانوں پر ہندوؤں نے ظلم کیا ہم نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ جب لوگوں نے بغاوت کی ہم نے حکومت کا ساتھ دیا۔ اور جب حکومت نے ناواجب سختی کی ہم نے رعایا کی تائید میں آواز اٹھائی۔ اور ہم اسی طرح کرتے جائیں گے۔ خواہ اس انصاف کی تائید میں ہمیں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ ہمیں سب قوموں کے سلوک یاد ہیں۔ کیا ہمیں وہ دن بھول گئے

ہیں جب چوہدری کھڑک سنگھ صاحب نے تقریر کی تھی کہ ہم قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور قادیان کے ملبہ کو دریا بُرد کر دیں گے۔ پھر کیا لیکھرام ہندو تھا یا نہیں؟ وہ لوگ جنہوں نے احراریوں کا ساتھ دیا تھا وہ ہندو تھے یا نہیں؟ مگر ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو شخص یا جماعت خدا تعالیٰ کا پیغام لے کر کھڑی ہو اس کی ساری دنیا دشمن ہوتی ہے اس لئے لوگوں کی ہمارے حق کے ساتھ دشمنی ایک طبعی امر ہے۔ ہم نے ملکانہ میں جہاں لاکھوں مسلمانوں کو آریوں نے مرتد کر دیا تھا اور ہندو بنا لیا تھا جا کر تبلیغ کی۔ اور انہیں پھر حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اور جب وہاں اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا اور آریہ مغلوب ہو گئے۔ تو وہی لوگ جو ملکانوں کے ارتداد کے وقت شور مچاتے تھے کہ احمدی کہاں گئے۔ اور کہتے تھے وہ اب کیوں تبلیغ نہیں کرتے۔ وہی شور مچانے والے ملکانوں کے دوبارہ اسلام لانے پر ان کے گھر گھر گئے اور کہتے پھرے تم آریہ ہو جاؤ مگر مرزائی نہ بنو۔ ادھر ہندو ریاستوں نے ظلم پر ظلم کئے۔ الور والوں نے بھی ظلم کیا۔ اور بھرت پور میں بھی یہی حال ہوا جب ہمارے آدمی وہاں جاتے تو راجہ کا حکم پہنچ جاتا کہ تمہاری وجہ سے امن شکنی ہو رہی ہے۔ جلد از جلد اس علاقہ سے نکل جاؤ۔ ملکانہ کے ایک گاؤں میں ایک بڑھیا ہی [illegible] ہونے سے بچی تھی۔ باقی اس کے تین چار بیٹے آریوں نے مرتد کر لئے تھے۔ اور بیٹوں نے اس بڑھیا ماں سے کہا تھا کہ ماں ہم دیکھیں گے کہ اب مولوی ہی آکر تمہاری فصل کاٹیں گے۔ کسی نے مجھے لکھا کہ ایک بڑھیا کو اس قسم کا طعنہ دیا گیا ہے۔ اور اب اس کی فصل پک کر تیار کھڑی ہے۔ میں نے کہا اسلام اور احمدیت کی غیرت چاہتی ہے کہ اب مولوی اور تعلیم یافتہ لوگ ہی جا کر اس بڑھیا کا کھیت کاٹیں۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے تحریک کی تو بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگ جن میں جج بھی تھے اور بیرسٹر بھی۔ وکلاء بھی تھے اور ڈاکٹر بھی۔ مولوی بھی تھے اور مدرس بھی۔ اور انہیں میں چوہدری ظفر اللہ خانصاحب کے والد مرحوم بھی گئے۔ اور خان بہادر شیخ محمد حسین صاحب سیشن جج بھی گئے اور سب تعلیم یافتہ لوگوں نے اس بڑھیا کا کھیت کاٹا۔ ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ مگر اس بات کا اتنا رعب ہوا کہ اس سارے علاقہ میں احمدیوں کی دھاک بیٹھ گئی مگر وہاں کے راجہ نے اتنا ظلم کیا کہ یہ لوگ چار پانچ میل گرمی میں جاتے تھے تو رات کو واپس سٹیشن پر آکر

ہوتے تھے۔ چوہدری نصر اللہ خان صاحب باوجودیکہ بڈھے آدمی تھے انکو بھی مجبوراً روزانہ گرمی میں چار میل جانا اور چار میل آنا پڑتا تھا۔ آخر میں نے اپنا ایک آدمی گورنمنٹ ہند کے پولیٹیکل سیکرٹری کی طرف بھجوایا کہ اتنا ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اس ریاست میں جو چار یا پانچ لاکھ ہندو ہے۔ وہ فساد نہیں کرتا۔ اور ہمارے چند آدمیوں کے داخلے سے فساد کا اندیشہ ہے۔ اس وقت پولیٹیکل سیکرٹری سر تھامسن تھے۔ انہوں نے جواب دیا میں اس میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں راجہ سے کہوں گا۔ اگر وہ مان جائے تو بہتر ہے۔ سر تھامسن نے ہمدردی کی مگر ساتھ ہی معذوری کا اظہار بھی کیا۔ لیکن ابھی اس پر پندرہ دن بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ راجہ پاگل ہوگیا۔ اور اس کو ریاست سے باہر نکال دیا گیا۔ اور پاگل ہونے کی حالت میں ہی وہ مرا۔ اسی طرح اس وقت کے الور والے راجہ کو بھی بعد میں سیاسی جرائم کی وجہ سے نکال دیا گیا

پس ہمارا خدا جو علیم اور خبیر ہے وہ اب بھی موجود ہے۔ اگر ہم انصاف سے کام لیں گے۔ اور پھر بھی ہم پر ظلم ہوگا۔ تو وہ ضرور ظالموں کو گرفت کئے بغیر نہ چھوڑیگا۔ ظلم تو ہمیشہ سے نبیوں کی جماعتوں پر ہوتا آیا ہے۔ مگر یہ نہایت ذلیل احساسات ہیں جو اس اخبار نے پیش کئے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی ہم پر ہمیشہ ظلم کیا شروع شروع میں جب احمدی تالاب سے مٹی لینے جاتے تھے۔ تو یہاں کے سکھ وغیرہ ڈنڈے لے کر آجاتے تھے۔ آخر ہمارے ساتھ کس نے کمی کی مگر ہر موقعہ پر خدا ہماری مدد کرتا رہا۔ ہمارا دشمن اگر ہمارے ساتھ ظلم اور بے انصافی بھی کرے تو ہم انصاف سے کام لیں گے۔ اور جب تک یہ روح ہمارے اندر پیدا نہ ہو جائے خدا ہمارا ساتھ نہیں دیگا۔ پس ہم دیکھیں گے کہ حق کس کا ہے۔ ہندو کا ہوگا تو اس کی مدد کریں گے سکھ کا ہوگا تو اس کی مدد کریں گے مسلمان کا ہوگا تو اس کی مدد کریں گے۔ ہم کسی کی دوستی اور دشمنی کو نہیں دیکھیں گے۔ بلکہ اس معاملہ کو انصاف کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اور جب انصاف پر قائم ہونے کے باوجود ہم پر ظلم ہوگا۔ تو خدا کہے گا انہوں نے دشمن کے ساتھ انصاف کیا تھا کیا میں انکا دوست ہو کر ان سے انصاف نہ کروں گا۔ اور اس کی غیرت ہمارے حق میں بھڑکے گی جو ہمیشہ ہمارے کام آئے گی۔ (انشاء اللہ)

(اخبار الفضل قادیان ۳۰ مئی ۱۹۴۷ء)

مہتمم نشر و اشاعت قادیان پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں باہتمام عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر چھپوا کر شائع کیا